علامہ اقبال کی مشہور نظم

شکوہ جواب شکوہ

ترجمہ و تشریح کے ساتھ

علامہ اقبال

علامہ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کی مشہور نظم

مکمل مطالب و تشریح کے ساتھ

شکوہ جواب شکوہ



علامہ اقبال

لائن پبلشرز

اُردو بازار کراچی پاکستان

Rs. 40/=

طباعت ..... ایجوکیشنل پریس

علامہ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال

شاعر مشرق ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ان معدودے چند شاعروں میں سے ہیں جنہیں زندگی ہی میں شہرت عام و بقائے دوام کی سند حاصل ہوگئی۔

اقبال ۲۲ر فروری ۱۸۷۳ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ سکاچ مشن کالج سیالکوٹ سے ایف اے کا امتحان پاس کیا پھر گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے اور اپنا اختیاری مضمون فلسفہ منتخب کیا۔ گورنمنٹ کالج سے بی اے کرنے کے بعد اقبال نے ۱۸۹۹ء میں پنجاب یونیورسٹی سے فلسفہ میں ایم اے کیا۔ ۱۹۰۵ء میں اعلیٰ تعلیم کے لئے یورپ لے گئے۔ پھر جرمنی جاکر میونخ یونیورسٹی سے ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۰۸ء میں وطن واپس آگئے اور کچھ عرصہ گورنمنٹ کالج میں ملازمت کی۔

۱۹۲۲ء میں سرکار برطانیہ نے ڈاکٹر اقبال کو سر کا خطاب دیا۔ ۱۹۲۶ء میں وہ پنجاب کی مجلس قانون ساز کے ممبر منتخب ہوئے۔ ۱۹۲۸ء میں مدراس یونیورسٹی کی دعوت پر جنوبی ہند تشریف لے گئے۔ ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے الہ آباد کے اجلاس میں اپنا وہ تاریخی خطبہ دیا جس میں ہندوستان کی مشکلات کا حل پاکستان کی تجویز کی صورت میں پیش کیا گیا تھا۔ ۱۹۳۱ء میں لندن کی گول میز کانفرنس میں شرکت کی اور واپسی میں ہسپانیہ۔ فلسطین اور ترکی وغیرہ اسلامی ممالک کی سیر کی۔ آخر دنیائے علم و ادب اور عالم اسلام کا یہ آفتاب جہاں تاب ۲۱ر اپریل ۱۹۳۸ء کو غروب ہوگیا اور مرحوم کے جسد خاکی کو بادشاہی مسجد لاہور کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

شکوہ

کیوں زیاں کار بنوں، سود فراموش رہوں؟
فکرِ فردا نہ کروں، محوِ غمِ دوش رہوں
نالے بلبل کے سنوں، اور ہمہ تن گوش رہوں
ہمنوا! میں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں؟
جرأت آموز مری تابِ سخن ہے مجھ کو
شکوہ اللہ سے، خاکم بدہن، ہے مجھ کو

ہے بجا شیوۂ تسلیم میں مشہور ہیں ہم
قصۂ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم
سازِ خاموش ہیں، فریاد سے معمور ہیں ہم
نالہ آتا ہے اگر لب پہ، تو معذور ہیں ہم
اے خدا! شکوۂ اربابِ وفا بھی سن لے
خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلا بھی سن لے

تھی تو موجود ازل سے ہی تری ذاتِ قدیم
پھول تھا زیبِ چمن، پر نہ پریشاں تھی شمیم
شرطِ انصاف ہے اے صاحبِ الطافِ عمیم
بوئے گل پھیلتی کس طرح، جو ہوتی نہ نسیم؟
ہم کو جمعیتِ خاطر یہ پریشانی تھی
ورنہ اُمت ترے محبوبؐ کی دیوانی تھی

ہم سے پہلے تھا عجب ترے جہاں کا منظر
کہیں مسجود تھے پتھر، کہیں معبود شجر
خوگرِ پیکرِ محسوس تھی انساں کی نظر
مانتا پھر کوئی ان دیکھے خدا کو کیونکر؟
تجھ کو معلوم ہے لیتا تھا کوئی نام ترا؟
قوتِ بازوئے مسلم نے کیا کام ترا؟

بس رہے تھے یہیں سلجوق بھی، تورانی بھی
اہل چیں چین میں، ایران میں ساسانی بھی
اسی معمورے میں آباد تھے یونانی بھی!
اسی دنیا میں یہودی بھی تھے نصرانی بھی
پر ترے نام پہ تلوار اٹھائی کس نے؟
بات جو بگڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے؟

تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں
خشکیوں میں کبھی لڑتے، کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

ہم جو جیتے تھے تو جنگوں کی مصیبت کیلئے
اور مرتے تھے ترے نام کی عظمت کیلئے
تھی نہ کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کے لئے
سر بکف پھرتے تھے کیا دہر میں دولت کیلئے
قوم اپنی جو زر و مال جہاں پر مرتی
بت فروشی کے عوض بت شکنی کیوں کرتی؟

ٹل نہ سکتے تھے، اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اکھڑ جاتے تھے
تجھ سے سرکش ہوا کوئی، تو بگڑ جاتے تھے
تیغ کیا چیز ہے؟ ہم توپ سے لڑ جاتے تھے
نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے
زیر خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

تو ہی کہہ دے کہ اکھاڑا در خیبر کس نے؟
شہر قیصر کا جو تھا، اس کو کیا سر کس نے؟
توڑے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے؟
کاٹ کر رکھ دیئے کفار کے لشکر کس نے؟
کس نے ٹھنڈا کیا آتشکدۂ ایراں کو؟
کس نے پھر زندہ کیا تذکرۂ یزداں کو؟

کون سی قوم فقط تیری طلب گار ہوئی؟ اور تیرے لئے زحمت کشِ پیکار ہوئی؟
کس کی شمشیر جہانگیر جہاندار ہوئی؟ کس کی تکبیر سے دنیا تری بیدار ہوئی؟
کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے؟
مُنہ کے بَل گر کے هُوَاللّٰهُ اَحَد کہتے تھے؟

آگیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز نہ کوئی بندہ رہا، اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے!
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے!

محفلِ کون و مکاں میں سحر و شام پھرے مئے توحید کو لے کر صفتِ جام پھرے
کوہ میں، دشت میں لے کر ترا پیغام پھرے اور معلوم ہے تجھ کو کبھی ناکام پھرے؟
دشت تو دشت ہیں، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے!
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے!

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا ہم نے
تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے
پھر بھی ہم سے یہ گلا ہے کہ وفادار نہیں
ہم وفادار نہیں، تو بھی تو دلدار نہیں

اُمتیں اور بھی ہیں، اُن میں گنہگار بھی ہیں عجز والے بھی ہیں، مستِ مئے پندار بھی ہیں
ان میں کاہل بھی ہیں، غافل بھی ہیں، ہشیار بھی ہیں سینکڑوں ہیں کہ ترے نام سے بیزار بھی ہیں
رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

بت صنم خانوں میں کہتے ہیں مسلمان گئے
ہے خوشی ان کو کہ کعبے کے نگہبان گئے
منزل دہر سے اونٹوں کے حدی خوان گئے
اپنی بغلوں میں دبائے ہوئے قرآن گئے
خندہ زن کفر ہے، احساس تجھے ہے کہ نہیں؟
اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں؟

یہ شکایت نہیں، ہیں اُن کے خزانے معمور
نہیں محفل میں جنہیں بات بھی کرنے کا شعور
قہر تو یہ ہے کہ کافر کو ملیں حور و قصور
اور بیچارے مسلماں کو فقط وعدۂ حور!
اب وہ الطاف نہیں، ہم پہ عنایات نہیں
بات یہ کیا ہے کہ پہلی سی مدارات نہیں؟

کیوں مسلمانوں میں ہے دولت دنیا نایاب؟
تیری قدرت تو ہے وہ جس کی نہ حد ہے نہ حساب
تو جو چاہے تو اٹھے سینۂ صحرا سے حباب
رہرو دشت ہو سیلی زدۂ موج سراب
طعن اغیار ہے، رسوائی ہے، ناداری ہے
کیا ترے نام پہ مرنے کا عوض خواری ہے؟

بنی اغیار کی اب چاہنے والی دنیا
رہ گئی اپنے لیے ایک خیالی دنیا!
ہم تو رخصت ہوئے اوروں نے سنبھالی دنیا
پھر نہ کہنا ہوئی توحید سے خالی دنیا!
ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے
کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے؟

تیری محفل بھی گئی، چاہنے والے بھی گئے
شب کی آہیں بھی گئیں، صبح کے نالے بھی گئے!
دل تجھے دے بھی گئے، اپنا صلہ لے بھی گئے
آ کے بیٹھے بھی نہ تھے، اور نکالے بھی گئے
آئے عشاق، گئے وعدۂ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر!

دردِ لیلیٰ بھی وہی، قیس کا پہلو بھی وہی
نجد کے دشت و جبل میں رمِ آہو بھی وہی
عشق کا دل بھی وہی، حسن کا جادو بھی وہی
امتِ احمدِ مرسل بھی وہی، تو بھی وہی
پھر یہ آزردگیِ غیر سبب کیا معنی؟
اپنے شیداؤں پہ یہ چشمِ غضب کیا معنی؟

تجھ کو چھوڑا کہ رسولِ عربی کو چھوڑا؟
بت گری پیشہ کیا، بت شکنی کو چھوڑا؟
عشق کو، عشق کی آشفتہ سری کو چھوڑا؟
رسمِ سلمانؓ و اویسِ قرنی کو چھوڑا؟
آگ تکبیر کی سینوں میں دبی رکھتے ہیں!
زندگی مثلِ بلالِ حبشیؓ رکھتے ہیں!

عشق کی خیر، وہ پہلی سی ادا بھی نہ سہی
جادہ پیمائیِ تسلیم و رضا بھی نہ سہی
مضطرب دل صفتِ قبلہ نما بھی نہ سہی
اور پابندیِ آئینِ وفا بھی نہ سہی
کبھی ہم سے کبھی غیروں سے شناسائی ہے
بات کہنے کی نہیں، تو بھی تو ہرجائی ہے!

سرِ فاراں پہ کیا دین کو کامل تو نے
اک اشارے میں ہزاروں کے لیے دل تو نے
آتش اندوز کیا عشق کا حاصل تو نے
پھونک دی گرمیِ رخسار سے محفل تو نے
آج کیوں سینے ہمارے شرر آباد نہیں؟
ہم وہی سوختہ ساماں ہیں، تجھے یاد نہیں؟

وادیِ نجد میں وہ شورِ سلاسل نہ رہا
قیس دیوانۂ نظارۂ محمل نہ رہا
حوصلے وہ نہ رہے، ہم نہ رہے، دل نہ رہا
گھر یہ اجڑا ہے کہ تو رونقِ محفل نہ رہا
اے خوش آں روز کہ آئی و بصد ناز آئی
بے حجابانہ سوئے محفلِ ما باز آئی!

بادہ کش غیر ہیں گلشن میں لبِ جو بیٹھے سنتے ہیں جام بکف نغمۂ کوکو بیٹھے
دورِ ہنگامۂ گلزار سے یکسو بیٹھے تیرے دیوانے بھی ہیں منتظرِ ھو بیٹھے!

اپنے پروانوں کو ذوقِ خود افروزی دے
برقِ دیرینہ کو فرمانِ جگرسوزی دے

قومِ آوارہ عناں تاب ہے پھر سوئے حجاز لے اڑا بلبلِ بے پر کو مذاقِ پرواز
مضطرب باغ کے ہر غنچے میں ہے بوئے نیاز تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز

نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کیلئے
طور مضطر ہے اسی آگ میں جلنے کے لئے

مشکلیں امتِ مرحوم کی آساں کر دے مورِ بے مایہ کو ہمدوشِ سلیماں کر دے
جنسِ نایابِ محبت کو پھر ارزاں کر دے ہند کے دیرنشینوں کو مسلماں کر دے

جوئے خوں می چکد از حسرتِ دیرینۂ ما
می تپد نالہ بہ نشتر کدۂ سینۂ ما!

بوئے گل لے گئی بیرونِ چمن رازِ چمن کیا قیامت ہے کہ خود پھول ہیں غمازِ چمن
عہدِ گل ختم ہوا ٹوٹ گیا سازِ چمن اڑ گئے ڈالیوں سے زمزمہ پردازِ چمن

ایک بلبل ہے کہ ہے محوِ ترنم اب تک
اس کے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم اب تک

قمریاں شاخِ صنوبر سے گریزاں بھی ہوئیں پتیاں پھول کی جھڑ جھڑ کے پریشاں بھی ہوئیں
وہ پرانی روشیں باغ کی ویراں بھی ہوئیں ڈالیاں پیرہنِ برگ سے عریاں بھی ہوئیں

قیدِ موسم سے طبیعت رہی آزاد اس کی
کاش گلشن میں سمجھتا کوئی فریاد اس کی

لطف مرنے میں ہے باقی، نہ مزا جینے میں
کچھ مزا ہے تو یہی خونِ جگر پینے میں
کتنے بیتاب ہیں جوہر مرے آئینے میں
کس قدر جلوے تڑپتے ہیں مرے سینے میں!
اس گلستاں میں مگر دیکھنے والے ہی نہیں
داغ جو سینے میں رکھتے ہوں وہ لالے ہی نہیں

چاک اس بلبلِ تنہا کی نوا سے دل ہوں
جاگنے والے اسی بانگِ درا سے دل ہوں
یعنی پھر زندہ نئے عہدِ وفا سے دل ہوں
پھر اسی بادۂ دیرینہ کے پیاسے دل ہوں
عجمی خم ہے تو کیا، مے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی ہے تو کیا، لے تو حجازی ہے مری

جوابِ شکوہ

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے
قدسی الاصل ہے، رفعت پہ نظر رکھتی ہے
خاک سے اٹھتی ہے، گردوں پہ گزر رکھتی ہے
عشق تھا فتنہ گر و سرکش و چالاک مرا
آسماں چیر گیا نالۂ بیباک مرا

پیرِ گردوں نے کہا سن کے، کہیں ہے کوئی!
بولے سیارے، سرِ عرشِ بریں ہے کوئی!
چاند کہتا تھا، نہیں۔ اہلِ زمیں ہے کوئی!
کہکشاں کہتی تھی، پوشیدہ یہیں ہے کوئی!
کچھ جو سمجھا مرے شکوے کو تو رضواں سمجھا
مجھے جنت سے نکالا ہوا انساں سمجھا!

تھی فرشتوں کو بھی حیرت کہ یہ آواز ہے کیا! عرش والوں پہ بھی کھلتا نہیں یہ راز ہے کیا!
تا سرِ عرش بھی انساں کی تگ و تاز ہے کیا؟ آ گئی خاک کی چٹکی کو بھی پرواز ہے کیا؟
غافل آداب سے سکّانِ زمیں کیسے ہیں!
شوخ و گستاخ یہ پستی کے مکیں کیسے ہیں!

اس قدر شوخ کہ اللہ سے بھی برہم ہے تھا جو مسجودِ ملائک یہ وہی آدمؑ ہے ؟
عالمِ کیف ہے، دانائے رموزِ کم ہے ہاں، مگر عجز کے اسرار سے نامحرم ہے
ناز ہے طاقتِ گفتار پہ انسانوں کو
بات کرنے کا سلیقہ نہیں نادانوں کو

آئی آواز، غم انگیز ہے افسانہ ترا اشکِ بیتاب سے لبریز ہے پیمانہ ترا
آسماں گیر ہوا نعرۂ مستانہ ترا کس قدر شوخ زباں ہے دلِ دیوانہ ترا!
شکر شکوے کو کیا حسنِ ادا سے تو نے
ہم سخن کر دیا بندوں کو خدا سے تو نے

ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں راہ دکھلائیں کسے؟ رہروِ منزل ہی نہیں
تربیت عام تو ہے، جوہرِ قابل ہی نہیں جس سے تعمیر ہو آدم کی یہ وہ گِل ہی نہیں
کوئی قابل ہو تو ہم شانِ کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

ہاتھ بے زور ہیں، الحاد سے دل خوگر ہیں اُمتی باعثِ رسوائیِ پیغمبرؐ ہیں
بت شکن اٹھ گئے، باقی جو رہے بت گر ہیں تھا ابراہیمؑ پدر، پسر آذر ہیں
بادہ آشام نئے، بادہ نیا، خُم بھی نئے
حرمِ کعبہ نیا، بُت بھی نئے، تم بھی نئے

وہ بھی دن تھے کہ یہی مایۂ رعنائی تھا! نازشِ موسمِ گل لالۂ صحرائی تھا!
جو مسلمان تھا اللہ کا سودائی تھا! کبھی محبوب تمہارا یہی ہرجائی تھا
کسی یکجائی سے اب عہدِ غلامی کر لو
ملّتِ احمدِ مرسل کو مقامی کر لو!

کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے! ہم سے کب پیار ہے؟ ہاں نیند تمہیں پیاری ہے
طبعِ آزاد پہ قیدِ رمضان بھاری ہے تمہیں کہہ دو یہی آئینِ وفاداری ہے؟
قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذبِ باہم جو نہیں، محفلِ انجم بھی نہیں

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن، تم ہو نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن، تم ہو
بجلیاں جس میں ہوں آسودہ وہ خرمن تم ہو بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن تم ہو
ہو نکو نام جو قبروں کی تجارت کر کے
کیا نہ بیچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے؟

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا کس نے؟ نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا کس نے؟
میرے کعبے کو جبینوں سے بسایا کس نے؟ میرے قرآن کو سینوں سے لگایا کس نے؟
تھے تو آبا وہ تمہارے ہی، مگر تم کیا ہو؟
ہاتھ پہ ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو!

کیا کہا؟ بہرِ مسلماں ہے فقط وعدۂ حور شکوہ بیجا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور!
عدل ہے فاطرِ ہستی کا ازل سے دستور مسلم آئیں ہوا کافر تو ملے حور و قصور
تم میں حوروں کا کوئی چاہنے والا ہی نہیں
جلوۂ طور تو موجود ہے موسیٰؑ ہی نہیں

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبیؐ، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں، اور کہیں ذاتیں ہیں!
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختار؟
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار؟
ہو گئی کس کی نگہ طرزِ سلف سے بیزار؟

قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں!

جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا تو غریب
زحمتِ روزہ جو کرتے ہیں گوارا، تو غریب
نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا، تو غریب
پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمہارا، تو غریب

امرا نشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملّتِ بیضا غُربا کے دم سے

واعظِ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی
برقِ طبعی نہ رہی، شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا، تلقینِ غزالی نہ رہی

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود؟
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں! جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود!

یوں تو سیّد بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟

دم تقریر تھی مسلم کی صداقت بیباک — عدل اس کا تھا قوی، لوث مراعات سے پاک
شجر فطرتِ مسلم تھا حیا سے نمناک — تھا شجاعت میں وہ اک ہستیِ فوق الادراک

خود گدازی نمِ کیفیت صہبایش بود
خالی از خویش شدن صورتِ مینایش بود

ہر مسلماں رگِ باطل کے لئے نشتر تھا — اس کے آئینۂ ہستی میں عمل جوہر تھا
جو بھروسا تھا اسے قوتِ بازو پر تھا — ہے تمہیں موت کا ڈر، اس کو خدا کا ڈر تھا

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو
پھر پسر قابلِ میراثِ پدر کیونکر ہو!

ہر کوئی مستِ مۓ ذوقِ تن آسانی ہے — تم مسلماں ہو؟ یہ اندازِ مسلمانی ہے ؟
حیدری فقر ہے، نے دولتِ عثمانی ہے — تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے؟

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

تم ہو آپس میں غضبناک، وہ آپس میں رحیم — تم خطاکار و خطابیں، وہ خطاپوش و کریم
چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوجِ ثریا پہ مقیم — پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلبِ سلیم!

تختِ فغفور بھی ان کا تھا، سریرِ کے بھی
یوں ہی باتیں ہیں، کہ تم میں وہ حمیت ہے بھی؟

خودکشی شیوہ تمہارا، وہ غیور و خوددار — تم اخوت سے گریزاں، وہ اخوت پہ نثار
تم ہو گفتار سراپا، وہ سراپا کردار — تم ترستے ہو کلی کو، وہ گلستاں بکنار

اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی
نقش ہے صفحۂ ہستی پہ صداقت ان کی!

مثل انجم افقِ قوم پہ روشن بھی ہوئے
بُت ہندی کی محبت میں برہمن بھی ہوئے
شوقِ پرواز میں مہجورِ نشیمن بھی ہوئے
بے عمل تھے ہی جواں دین سے بدظن بھی ہوئے

ان کو تہذیب نے ہر بند سے آزاد کیا
لا کے کعبے سے صنم خانے میں آباد کیا

قیس زحمت کشِ تنہائیٔ صحرا نہ رہے
شہر کی کھائے ہوا، بادیہ پیما نہ رہے
وہ تو دیوانہ ہے، بستی میں رہے یا نہ رہے
یہ ضروری ہے، حجابِ رخِ لیلا نہ رہے

گلۂ جور نہ ہو شکوۂ بیداد نہ ہو
عشق آزاد ہے کیوں حسن بھی آزاد نہ ہو

عہدِ نو برق ہے، آتش زنِ ہر خرمن ہے
ایمن اس سے کوئی صحرا نہ کوئی گلشن ہے
اس نئی آگ کا اقوامِ کہن ایندھن ہے
ملتِ ختمِ رسلؐ شعلہ بہ پیراہن ہے

آج بھی ہو جو ابراہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا!

دیکھ کر رنگِ چمن ہو نہ پریشاں مالی
کوکبِ غنچہ سے شاخیں ہیں چمکنے والی
خس و خاشاک سے ہوتا ہے گلستاں خالی
گل بر انداز ہے خونِ شہدا کی لالی

رنگ گردوں کا ذرا دیکھ تو عنابی ہے
یہ نکلتے ہوئے سورج کی افق تابی ہے!

اُمتیں گلشنِ ہستی میں ثمر چیدہ بھی ہیں
اور محرومِ ثمر بھی ہیں، خزاں دیدہ بھی ہیں
سینکڑوں نخل ہیں، کاہیدہ بھی، بالیدہ بھی ہیں
سینکڑوں بطنِ چمن میں ابھی پوشیدہ بھی ہیں

نخلِ اسلام نمونہ ہے برومندی کا
پھل ہے یہ سینکڑوں صدیوں کی چمن بندی کا

پاک ہے گردِ وطن سے سرِ داماں تیرا — تو وہ یوسف ہے کہ ہر مصر ہے کنعاں تیرا
قافلہ ہو نہ سکے گا کبھی ویراں تیرا — غیر یک بانگِ درا کچھ نہیں ساماں تیرا
نخلِ شمع استی و در شعلۂ و دود ریشۂ تو
عاقبت سوز بود سایۂ اندیشۂ تو

تو نہ مٹ جائیگا ایران کے مٹ جانے سے — نشۂ مے کو تعلق نہیں پیمانے سے
ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے — پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے
کشتیٔ حق کا زمانے میں سہارا تو ہے
عصرِ نو رات ہے، دھندلا سا ستارا تو ہے

ہے جو ہنگامہ بپا یورشِ بلغاری کا — غافلوں کیلئے پیغام ہے بیداری کا
تو سمجھتا ہے یہ ساماں ہے دل آزاری کا — امتحاں ہے ترے ایثار کا، خودداری کا
کیوں ہراساں ہے صہیلِ فرسِ اعدا سے
نورِ حق بجھ نہ سکے گا نفسِ اعدا سے

چشمِ اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری — ہے ابھی محفلِ ہستی کو ضرورت تیری
زندہ رکھتی ہے زمانے کو حرارت تیری — کوکبِ قسمتِ امکاں ہے خلافت تیری
وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

مثلِ بو قید ہے غنچے میں پریشاں ہو جا — رخت بر دوشِ ہوائے چمنستاں ہو جا
ہے تنک مایہ، تو ذرے سے بیاباں ہو جا — نغمۂ موج سے ہنگامۂ طوفاں ہو جا
قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمد سے اجالا کر دے

ہو نہ یہ پھول، تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو، خم بھی نہ ہو
بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو، تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

دشت میں، دامنِ کہسار میں، میدان میں ہے
بحر میں، موج کی آغوش میں، طوفاں میں ہے
چین کے شہر، مراقش کے بیاباں میں ہے
اور پوشیدہ مسلمان کے ایماں میں ہے
چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکْ دیکھے

مردمِ چشمِ زمیں، یعنی وہ کالی دنیا
وہ تمہارے شہدا پالنے والی دنیا
گرمیٔ مہر کی پروردہ، ہلالی دنیا
عشق والے جسے کہتے ہیں بلالی دنیا
تپش اندوز ہے اس نام سے پارے کی طرح
غوطہ زن نور میں ہے آنکھ کے تارے کی طرح

عقل ہے تیری سپر، عشق ہے شمشیر تری
مرے درویش! خلافت ہے جہانگیر تری
ماسوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری
تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری
کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

٭ ٭ ٭

شکوہ

کیوں زیاں کار بنوں، سود فراموش رہوں — علامہ اقبال شکوہ کے پہلے بند میں تمہیداً فرماتے ہیں۔ آخر میں کب تک خاموش رہوں؟۔ میں آنے والی کل کی فکر کیوں نہ کروں؟ گزرے ہوئے زمانے کے غموں کو کب تک سینے سے لگائے رکھوں؟ کب تک اپنے مستقبل سے غافل رہوں؟ بلبل کی آہ و فغاں سننے کے لیے کب تک سراپا گوش بر آواز رہوں؟ اے میرے رفیق کیا میں بھی کوئی پھول ہوں کہ خاموش بیٹھا رہوں؟ مجھے شاعری کا کمال عطا کیا گیا ہے جس نے مجھ میں جرأت اظہار پیدا کردی ہے۔ میرے منہ میں خاک، میں آج اپنے پیدا کرنے والے سے شکایت کرنے پر مجبور ہوں۔

زیاں کار: وہ شخص جو اپنے نقصان کے درپے ہو۔ سود فراموش: اپنے فائدے سے غافل شخص کو کہتے ہیں۔ دوش: آنے والی کل۔ ہمہ تن گوش:۔ پوری طرح متوجہ تاب سخن: شعر کہنے کا کمال۔ خاکم بدہن:۔ میرے منہ میں خاک۔

ہے بجا شیوۂ تسلیم میں مشہور ہیں ہم ... اے خدائے بزرگ و برتر، یہ صحیح ہے کہ فرماں برداری اور تسلیم و رضا میں ہم مشہور زمانہ ہیں۔ تیرے ہر حکم کو ہم نے بے چون وچرا تسلیم کرلیا ہے کہ یہی ہمارا ایمان ہے لیکن آج ہم اپنے دل کا درد تجھے سنانے پر مجبور ہیں۔ ہماری حیثیت اُس خاموش ساز کی سی ہے جس کا انگ انگ فریاد و فغاں سے پُر ہے۔ آج ہمارے لبوں پہ فریاد ہے تو اس کے لیے ہمیں معذور و بے بس جان کر ہمیں اپنے عفو و کرم سے معاف فرما۔ ہم تیرے عاجز و مجبور بندے ہیں۔ ہم تیری ہی حمد و ثنا کے عادی ہیں آج ہم سے تھوڑی سی شکایت بھی سن لے۔

شیوۂ تسلیم: فرماں برداری کی عادت خوگرِ حمد: باری تعالیٰ کی حمد و ثنا کا عادی گلا: شکایت۔

تھی تو ازل سے ہی تری ذاتِ قدیم ... باری تعالیٰ تو سب سے زیادہ قدیم ہے۔ تیری ذات تو روزِ ازل سے ہی موجود تھی، لیکن اس کی حیثیت کیا تھی۔ کیونکہ ابھی تیری صفات کی جلوہ گری نہیں ہوئی تھی۔ اس کی مثال یہ تھی کہ باغ میں پھول تو موجود تھا۔ مگر اس کی خوشبو ابھی پھیلی نہ تھی۔ اے لطف و کرم کے عام کرنے والے!

اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ تیرے فرماں بردار بندے (مسلمان) نہ ہوتے تو تیرے وجود سے دنیا والوں کو کس طرح علم ہوتا۔ یہ مسلمان ہی تھے، جنھوں نے مشرق تا مغرب تیرے پیغام کو عام کیا۔ اگر یہ مقصدِ اعلیٰ نظروں کے سامنے نہ ہوتا تو تیرے محبوب (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی یہ امت کوئی دیوانی تو نہ تھی کہ دنیا جہان کی خاک چھانتی پھرتی اور ساری دنیا کو اپنا دشمن بنا لیتی۔

شمیم: خوشبو صاحبِ الطافِ عمیم: لطف و عنایت کا عام کرنے والا (خدا)

ہم سے پہلے تھا عجب تیرے جہاں کا منظر... ظہورِ اسلام سے پہلے تری دنیا کا عجیب ہی عالم تھا، کہیں پتھروں کو پوجا جاتا تھا، اور کہیں درختوں کے سامنے تیرے بندے سربسجود ہو جاتے تھے۔ مختصراً یہ کہ انسان صرف اسی کی عبادت کرتا تھا جسے وہ دیکھ اور محسوس کر سکے۔ تو چونکہ انسانی آنکھ سے اوجھل ہے پھر کیوں کر تری پرستش کی جاتی۔ تو اس سے بھی واقف ہے کہ تیرا کوئی نام لیوا تک نہیں تھا۔ لیکن ہم نے تیرے نام کی ایسی مشعل روشن کی کہ سارا عالم اس کی شعاعوں سے منور ہو گیا۔

مسجود: جسے سجدہ کیا جائے۔ معبود: جس کی عبادت کی جائے۔

خوگر: عادی پیکرِ محسوس: مادی اور ٹھوس اشیاء

بس رہے تھے یہیں سلجوق بھی، تورانی بھی...... آغازِ اسلام سے قبل یہاں مختلف قومیں آباد تھیں۔ ان میں کوئی سلجوقی تھا، تو کوئی تورانی۔ چین میں چینی اور ایران میں ساسانی، اسی دنیا میں یونانی بھی تھے، یہودی بھی اور عیسائی بھی۔ لیکن یہ تو بتا کہ تیرے نام پر کس نے تلوار اٹھائی؟ یہ مسلمان ہی تھے جو تیرا نام لے کر میدان میں اتر آئے اور حق و صداقت کا پرچم سربلند کیا۔

سلجوق: یہاں ترکوں کے اس مشہور قبیلہ کی جانب اشارہ ہے جو اسلام سے پہلے موجود تھا۔ تورانی: ترکستان کے باشندوں کا لقب۔ معمورہ: دنیا

تھے ہمیں ایک تیرے معرکہ آراؤں میں.....

وہ ہم ہی تھے جو تیری عظمت و سربلندی کی خاطر میدانِ کارزار میں بے خطر

کود پڑے ، کبھی ہم نے خشکی پر اور کبھی سمندروں میں جہاد کئے ، کبھی یورپ کے گرجا گھروں میں اذانیں دیں تو کبھی افریقہ کی تپتی ہوئی سرزمین پر ، اور کبھی لق و دق بیابان ہماری اللہ اکبر کی صداؤں سے گونج اٹھے ، بڑے بڑے بادشاہ ہماری نظروں میں ہیچ تھے اور ان کی شان و شوکت ہمیں مرعوب نہ کر سکتی تھی ، ہم وہ ہیں ، جنھوں نے تلواروں کے سائے میں توحید کا پرچم ہمیشہ سربلند رکھا ۔

معرکہ آرا :۔ میدان جنگ کو زینت بخشنے والا (مرد مجاہد)

ہم تو جیتے تھے جنگوں کی مصیبت کے لئے .....

ہماری زندگی اور موت دونوں ہی تیرے لئے تھی ، ہماری زندگیاں تیری راہ میں جہاد کے لئے وقف تھیں ، ہماری زندگی کی طرح ہماری موت بھی تری سربلندی اور سرفرازی کے لئے واقع ہوئی تھی ، ہم اس لئے جنگ کے مصائب اور تکالیف نہیں برداشت کرتے تھے کہ اس کے عوض ہمیں دنیاوی عیش و آرام اور تاج و تخت میسر ہو ، اگر ہماری قوم زر و جواہر کی بھوکی ہوتی تو بتوں کو توڑنے کی بجائے بت فروشی کو اپنا شعار بنا لیتی (آخری مصرعہ میں محمود غزنوی کی سومناتھ میں بت شکنی کے واقعہ کی جانب اشارہ ہے) ۔

سر بکف :۔ جان دینے پر تیار ہونا ۔

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے .....

اگر ہم تیری راہ میں جہاد کا فیصلہ کر کے میدان جنگ میں کود پڑتے تھے تو اس پر آخر وقت تک ثابت قدم رہتے تھے ، یہی ہماری ثابت قدمی شیر دل دشمنوں کے پاؤں میدان سے اکھاڑ پھینکتی تھی ، اگر کوئی تیری نافرمانی کرتا تو ہم آگ بگولا ہو جاتے تھے ، تلوار تو کیا چیز ہے توپ و تفنگ خوف زدہ نہیں کر سکتے تھے ، ہماری اس ثابت قدمی نے توحید کا نقش ہر دل پر ثبت کر دیا ہے ، ہم تلواروں کی زد پہ بھی تیری توحید کا پیغام عام کرنے سے نہ ہچکچاتے تھے ۔

سرکش :۔ باغی ۔

تو ہی کہہ دے کہ اکھاڑا درِ خیبر کس نے ......

اے خداوندِ عالم تو ہی بتا کہ خیبر کے دروازے کو کس نے اکھاڑ پھینکا تھا اور اس کے مضبوط قلعہ قموص کو کس نے فتح کیا؟ قیصر کے شہر قسطنطنیہ پر فتح و نصرت کے جھنڈے کس نے گاڑ دیئے؟۔ ہمارے جیسے ہی انسانوں کے بنائے ہوئے بتوں کو کس نے پارہ پارہ کر دیا؟ کافرین اور مشرکین کو سزائیں کس نے دیں؟۔ ایران کے آتش کدہ کو کس نے ٹھنڈا کیا؟ اور پھر وہ کون تھا جس نے تیرے نام کو دوبارہ زندہ کیا؟۔

قیصر کا شہر: قسطنطنیہ۔ مخلوقِ خداوند: انسان کے تراشے ہوئے بت

آتش کدہ ایران: فتح ایران سے قبل ایرانی آتش پرست تھے اور ان کی عبادت گاہوں میں ہمیشہ آگ روشن رہتی تھی۔ برصغیر پاک و ہند میں پارسی اسی ایرانی قوم کی باقیات میں سے ہیں۔ ان کی عبادت گاہوں میں بھی آگ جلتی رہتی تھی۔

نروان:۔ خدا

کون سی قوم فقط تیری طلبگار ہوئی ......

ہم مسلمانوں کے علاوہ کون سی قوم تیری محبت میں دیوانی ہوئی۔ کس قوم نے تیری خاطر جنگ و جدل کے مصائب برداشت کیے۔ کس کی تلوار نے دنیا کو فتح کر کے اس کا نظم و نسق سنبھالا۔ کس قوم کی تکبیر کی آوازوں سے دنیا خوابِ غفلت سے بیدار ہوئی۔ وہ کون سی قوم تھی جس کی ہیبت، رعب اور دبدبے سے بت پرست خوفزدہ رہتے تھے۔ وہ کون تھے جن کے سامنے بت منہ کے بل گر کر تیری وحدت کے ترانے گانے لگتے تھے۔

ہو هو الله احد وہ اللہ ایک ہے۔

آگیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز ......

ہم ترے فرائض سے کبھی غافل نہیں رہے۔ میدانِ جنگ میں بھی جب کبھی

نماز کا وقت آگیا تو ہم قبلہ رو ہو کر تری بارگاہ میں سربسجود ہو جاتے تھے۔ ہماری مساوات کا یہ عالم تھا کہ غلام و آقا ایک ہی قطار میں اس طرح کھڑے ہو جاتے تھے کہ حاجت مند اور حاجت روا اور فقیر و امیر کی تمیز مٹ جایا کرتی تھی۔

محفل کون و مکاں میں سحر و شام پھرے .....

ہم صبح و شام مشرق سے مغرب تک توحید کی شراب لے کر اس طرح محوِ سفر رہا کرتے تھے جیسے پیالہ گردش میں رہتا ہے۔ ہم تیرا پیغام لے کر پہاڑ، دشت اور بیابانوں میں گھومتے رہے۔ تاکہ توحید کا پیغام دنیا کے چپہ چپہ پر پھیل جائے۔ تو اس سے بھی بخوبی واقف ہے کہ ہم اپنی اس کوشش میں کبھی ناکام و نامراد نہیں لوٹے۔ ہم نے خشکی تو کیا سمندروں کو بھی اپنے پیروں تلے روند ڈالا۔ اور اپنے گھوڑوں کو بحر ظلمات کی موجوں سے ٹکرا دیا۔

بحر ظلمات : بحر اوقیانوس

(بحر ظلمات میں گھوڑے دوڑانے سے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ جب عقبہ بن نافع نے فتح مراقش کے بعد اپنا گھوڑا سمندر میں ڈال کر کہا: "خدایا۔ مجھے افسوس ہے کہ تیری زمین یہاں ختم ہو گئی ورنہ میں اسی طرح آگے ہی بڑھتا چلا جاتا تاکہ تیرا پیغام زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچا سکتا)۔

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے .....

ہم نے روئے زمین سے کفر و شرک کی گھٹائیں دور کیں اور بنی نوعِ انسان کو غلامی کی لعنت سے نجات دلائی۔ ہم نے اپنے سجدوں سے تیرے کعبہ کی عزت و حرمت میں اضافہ کیا۔ اور تیرے کلامِ معجز بیان (قرآن) کو عزت و احترام سے اپنے سینوں میں محفوظ کر لیا۔ اس کے باوجود ہم سے یہ شکایت ہے کہ ہم وفادار نہیں۔ لیکن باری تعالیٰ بتا تو نے دلداری کا حق کیسے ادا کیا۔

صفحۂ دہر : روئے زمین باطل : کفر و شرک

جبیں : پیشانی

امتیں اور بھی ہیں، ان میں گنہ گار بھی ہیں ......

اس کرۂ ارض پر بہت سی قومیں آباد ہیں۔ ان میں گنہ گار بھی ہیں اور عاجز و نیک بھی۔ ان میں ایسے بھی ہیں جو اپنی انا کے غرور میں مست و بے خود ہیں۔ ان میں کاہل بھی ہیں اور غافل و ہشیار بھی۔ ان میں بے عمل بھی ہیں اور باعمل بھی۔ ان میں سیکڑوں ایسے بھی ہیں جو تیرے وجود ہی کے منکر ہیں اور تیرا نام بھی سننے کے روادار نہیں۔ اس کے باوجود تیرے رحم و کرم کے دروازے ان پر کھلے ہوئے ہیں۔ لیکن ترے نام لیوا (مسلمان) ترے لطف و عنایت سے محروم ہیں۔

اغیار:- غیر کی جمع برق:- بجلی

بت صنم خانوں میں کہتے ہیں ......

آج مسلمانوں کی گراوٹ کا یہ عالم ہے کہ بت پرست خوشی اور مسرت کے ساتھ یہ کہتے پھر رہے ہیں کہ مسلمانوں کا نام صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا۔ اور ان کے کعبہ کا کوئی پاسبان باقی نہیں رہے گا۔ وہ لوگ بھی باقی نہیں رہیں گے جو اونٹوں کے قافلوں میں حدی خوانی کیا کرتے تھے۔ ان کے اٹھنے کے ساتھ ہی قرآنی تعلیمات بھی دنیا سے معدوم ہو جائے گی۔ اس صورتِ حال پر کفار ہم پر طنز و تعریض کے تیر برسا رہے ہیں۔ اے خدائے بزرگ و برتر تجھے کچھ اس کا احساس بھی ہے یا نہیں؟ ہم تو رہے ایک طرف تجھے اپنی توحید کا بھی کوئی خیال نہیں؟۔

حدی:- وہ نغمہ جسے سن کر اونٹ خوش ہو کر اپنی رفتار تیز کر دیتا ہے۔

خندہ زن:- ہنسی اڑانا

یہ شکایت نہیں، ہیں ان کے خزانے معمور ......

ہمیں یہ شکایت نہیں کہ غیر مسلموں کے خزانے زر و جواہر سے کیوں بھرے ہوئے ہیں جبکہ انہیں محفل میں بات کرنے کا شعور تک نہیں۔ افسوس ناک بات تو یہ ہے کہ کافروں کے پاس دنیاوی عیش و عشرت اور دولت کی فراوانی ہے جبکہ نادار و مفلس مسلمان کو صرف وعدۂ فردا (یعنی موت کے بعد جنت) پر زندگی

گزار رہا ہے۔ اے خدا ہم پہ اب زمانہ سابق کی طرح عنایات و مہربانیاں کیوں نہیں ہیں؟ ہم سے ایسی کون سی خطا سرزد ہوئی ہے کہ اب پہلی سی مہربانی کیوں نظر نہیں آتی۔

قصور:۔ قصر کی جمع مدارات: خاطرداری

کیوں مسلماں میں ہے دولت دنیا نایاب .....

مسلمان دنیاوی دولت اسلطنت اور حکومت سے آج کیوں محروم ہے۔ تو قادرِ مطلق ہے، تیرے خزانے میں کسی چیز کی کمی نہیں۔ تیری قدرت کی نہ تو کوئی حد ہے اور نہ حساب، تو اگر چاہے تو ریگستان سمندر میں تبدیل ہو جائے اور سراب کی جگہ موجیں ٹھاٹھیں مارنے لگیں۔ آج رسوائی نا داری اور مفلسی نے ہمیں آن گھیرا ہے۔ ہم غیروں کے طعنوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ کیا تیرے نام پہ مر مٹنے والوں کے مقدر میں خواری کے سوا کچھ بھی نہیں۔

سیلی زدہ:۔ جیسے تھپڑ مارا جائے۔

بنی اغیار کی اب چاہنے والی دنیا .....

اب اس دنیا پہ غیروں کی حکمرانی ہے۔ اور دولت کے تمام ذرائع انہیں کی ملکیت میں ہیں۔ اب ہمارے لئے یہاں کوئی جگہ نہیں رہی۔ مسلمان اب صرف خیالی دنیا میں رہتا ہے۔ ہم تو اس دنیا سے رخصت ہوئے اور غیروں نے اس کی عنان سنبھال لی ہے۔ پھر یہ نہ کہنا کہ دنیا تیرے پیغام (توحید) سے خالی ہو چکی ہے۔ ہم زندہ ہیں تو اس لئے کہ تیرا نام دنیا میں باقی رہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس دنیا کے میخانہ میں مئے توحید پلانے والے ساقی رخصت ہو جائیں اور صرف پیالہ ہی رہ جائے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر دنیا مسلمانوں سے خالی ہو گئی تو تیرا نام بھی باقی نہ رہے گا۔

خدا پرستی کی محفل برخاست ہو
تیری محفل بھی گئی چاہنے والے بھی گئے .....

خدا پرستی کی محفل برخاست ہوتے ہی خدا کے چاہنے والے بھی اٹھ گئے۔ یہ وہی لوگ تھے جو تیرے عشق میں راتوں کی نیند حرام کر لیتے تھے اور صبح دم نالوں اور شیون (یعنی عبادات) میں مبتلا رہتے تھے۔ یہ تجھے اپنا دل دے کر محفل سے اٹھ گئے اور اس کا جو صلہ تھا وہ بھی انہیں مل گیا۔ وہ راہِ حق میں اپنی جانیں قربان کر کے جنت کو سدھارے ان لوگوں کے بغیر اب تیری محفل سونی ہو گئی ہے۔ اب انہیں اپنے حسین و درخشاں چہرے کا چراغ لے کر ڈھونڈھ۔

دردِ لیلیٰ بھی وہی، قیس کا پہلو بھی وہی .....

لیلیٰ کے دل میں اب بھی درد کی ویسی ہی ٹیسیں اٹھتی ہیں اور قیس کے پہلو میں بھی وہی جذبۂ الفت موجزن ہے۔ نجد کے بیابانوں اور پہاڑوں میں اب بھی ہرن دوڑتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ عاشق کا عشق اور محبوب کا حسن اب بھی وہی ہے جادو جگا رہا ہے۔ مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں اب بھی توحید کا نشہ موجود ہے اور وہ اپنے آپ کو حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں میں شمار کرتے ہیں۔ تو بھی وہی ہے پھر یہ ناراضگی اور خفگی کیسی۔ ان کی وجوہات کیا ہیں۔

آزردگیٔ غیر سبب :۔ بلا وجہ ناراضگی

تجھ کو چھوڑا کہ رسولِ عربیؐ کو چھوڑا .....

کیا ہم نے تجھ سے کوئی بے اعتنائی برتی یا تیرے رسول برحق صلعم کی پیروی کو ترک کیا؟ کیا ہمارے عشق و دیوانگی میں کوئی فرق آگیا ہے۔ کیا ہم نے بت گری کا پیشہ اختیار کر لیا ہے؟ یا ہم نے حضرت اویس قرنی رضؓ اور حضرت سلمان فارسی رضؓ کے طور طریق بھلا دیئے ہیں اور حضرت بلال حبشی رضؓ کی زندگی ہمارے لئے نمونہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ۔ حضرت بلال نے اسلام کی راہ

میں جو سختیاں اور مصائب برداشت کئے، ہم بھی انہی کے نقش قدم پر چل سکتے ہیں۔

آشفتہ سری ہو دیوانگی
عشق کی خیر وہ پہلی سی ادا بھی نہ سہی .....

یہ مانا کہ ہم میں اپنے اسلاف کا سا عشق و محبت کا جذبہ پایا نہیں جاتا اور ہمارے اندر تسلیم و رضا کی وہ خو بو بھی نہیں۔ ہمارا دل ہمارے بزرگوں کی طرح مہر و وفا کا پابند بھی نہیں۔ یہ بھی صحیح ہے کہ ہم شریعت کے پابند و وفادار بھی نہیں، لیکن گستاخی معاف، ہم یہ کہنے پہ مجبور ہیں کہ تو بھی تو ہرجائی ہو گیا ہے۔ اور تو نے بھی تو اپنے عہد کا پاس نہیں کیا۔

سرِ فاراں پہ کیا دین کو کامل تو نے .....

یہ حقیقت ہے کہ تو نے اسلام کو فاراں کی چوٹی پہ مکمل کیا۔ یہاں اشارہ ہے اس پاک کی طرف جس میں کہا گیا تھا۔ "آج ہم نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پہ پوری کر دیں، اور تمہارے لئے دین اسلام پہ راضی ہوا" ایک اشارہ کر کے تو نے ہزاروں کے دل موہ لئے۔ مراد یہ ہے کہ ہزاروں اور لاکھوں نے دین اسلام قبول کیا۔ اور اس دین کی روشنی سے لاکھوں دل منور ہوئے۔ ہم انہیں کی اولاد ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ ہمارے سینوں میں پہلی سی چنگاری نہیں۔ کیا تجھے یاد نہیں کہ ہم تیرے ان نام لیواؤں کی اولاد ہیں۔

فاراں :۔ حجاز کا ایک پہاڑ۔
آتش اندوز :۔ آگ جمع کرنے والا۔
شرر آباد :۔ چنگاریوں سے بھرے ہوئے۔
سوختہ سامان :۔ اپنا مال و اسباب جلانے والا (مراد عاشق)

وادیٔ نجد میں وہ شورِ سلاسل نہ رہا .....

وادی نجد میں زنجیروں کا وہ شور بھی نہیں رہا۔ قیس اب دیوانہ وار لیلیٰ کی محمل کا نظارہ بھی نہیں کرتا۔ مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں اب ایمان کی حرارت سرد ہو چکی ہے اور وہ عشق رسول ؐ کے جذبات میں سرشار بھی نہیں رہے۔ نہ ان کے سینوں میں وہ دل رہا، نہ وہ حوصلے اور نہ وہ ولولے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہ گھر ایسا اجڑا کہ محفل بے رونق ہو گئی۔ تو پھر ایک بار ہماری حالتِ زار پہ کرم فرما تاکہ ہماری محفل کی رونق لوٹ آئے۔

سلاسل :- جمع سلسلہ کی بمعنی زنجیریں۔

بادہ کش غیر ہیں گلشن میں لب جو بیٹھے .....

اے خدا آج ہماری یہ حالت ہے کہ اغیار عیش و مسرت اور دولت و ثروت کی فراوانی میں زندگی گزار رہے ہیں، اور تیرے نام لیوا فاقہ مست مسلمان اس دنیا کے ایک کونے میں سب سے الگ تھلگ سمٹے سمٹائے بیٹھے تیرے فضل و کرم کے منتظر ہیں۔ تو اپنے ان جان نثاروں پہ رحم فرما اور ان کے دلوں کو اپنی پاک محبت سے معمور اور منور کر دے۔

جام بکف : ہاتھ میں شراب کا پیالہ لئے ہوئے

نغمہ کوکو : قمری کا نغمہ۔ خود افروزی : اپنے آپ کو چمکانا۔

قوم آوارہ عناں تاب ہے پھر سوئے حجاز .....

اے خدا ہم اپنی غلطیوں اور خطاؤں پہ نادم ہیں۔ ایک بار پھر ہم نے اپنا منہ اپنے مرکز (حجاز) کی طرف پھیر دیا ہے۔ گو کہ ہم بے پر ہیں۔ لیکن تو اپنے عنایت و کرم سے ہمیں قوت پرواز عطا فرما۔ ہماری قوم کے ہر فرد میں عجز و نیاز اور تسلیم و رضا کا جذبہ بیدار ہوا ہے اب صرف تیری ایک نگاہ کرم کے منتظر ہیں۔ ہمارا ساز مضراب کے انتظار میں ہے تو ذرا اسے چھیڑ کر تو دیکھ کہ اس میں کتنے نغمے بھرے پڑے ہیں۔ آج پھر ایک بار کوہ طور اسی آگ میں جلنے کے لئے بے تاب ہے۔

مراد یہ ہے کہ ہم میں بیداری کی لہر پیدا ہوگئی ہے۔ اگر تو چاہے تو ہم تیری راہ میں اپنی جانیں قربان کر دیں۔

عناں تاب: لگام موڑنے والا۔

مشکلیں امت مرحوم کی آساں کر دے .....

خدایا تیرے محبوب رسول مقبول صلعم کی امت کی مشکلات اور مصائب دور کر دے۔ ہم جو مفلس بھی ہیں اور حقیر بھی اس کے باوجود ہمیں سلیمانؑ کا رتبہ عنایت فرما۔ ہمارے دلوں میں تیری اور تیرے محبوب کی محبت کوٹ کوٹ کر بھر دے۔ ہمارے دل جو سراپا حسرت و یاس ہیں اور ہمارے سینے نشتروں سے چھلنی ہو رہے ہیں۔ ہم ہندی مسلمان جو صرف نام کے مسلمان ہیں ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم سچے مسلمان بن سکیں۔

مُور: چیونٹی — مورِ بے مایہ: حقیر اور بے سروساماں

بوئے گل لے گئی بیرونِ چمن، رازِ چمن .....

اس گلستان کے رازوں کو خود اسی کے پھولوں کی خوشبو نے افشا کیا ہے مراد یہ ہے کہ خود مسلمانوں نے غیروں سے ساز باز کر کے اپنے ہی ہم مذہبوں سے غداری کی ہے۔ بہار کا موسم اختتام کو پہنچا ہے اور اب ہر سو خزاں ہی کی عملداری ہے۔ محبت و اخوت کے گیت گانے والے ایک ایک کر کے رخصت ہوئے اب صرف ایک بلبل (اقبال) رہ گئی ہے۔ جس کا سینہ نغموں سے لبریز ہے۔

غمّاز: چغل خور — زمزمہ پرواز: گیت گانے والا

تلاطم: طوفان

قمریاں شاخِ صنوبر سے گریزاں بھی ہوئیں .....

قمریاں شاخ صنوبر سے دور ہو چکی ہیں اور پھول کی ایک ایک پتی جھڑ جھڑ کر بکھر چکی ہے۔ باغ کی پرانی روشیں ویران ہیں۔ ڈالیاں پیراہن برگ سے عریاں ہوگئی ہیں۔ چمن کی اس ویرانی اور بربادی کے باوجود ایک بلبل (اقبال) نغمہ سرا ئی د

میں مست ہے ، وہ موسم کی اس بے رحمی سے بالکل ہراساں نہیں ہے ۔ لیکن افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ کوئی اُس کی فریاد کی لے سمجھ نہ پایا ۔

لطف مرنے میں ہے ، باقی نہ مزہ جینے میں .....

قوم کی اس بے حسی کے سبب اب نہ تو مرنے کا لطف باقی رہا اور نہ جینے میں مزا رہا ۔ اب اگر کچھ کیف و سرور ہے تو صرف خونِ جگر پینے میں ۔ میرے سینے میں سیکڑوں ایسے جذبات و خیالات ہیں جو بے نقاب ہونے کے لئے بے تاب ہیں ۔ لیکن کون ہے جو میرے ان داغوں کو دیکھ سکے ۔ مراد یہ ہے کہ کوئی ایسا صاحب نظر نہیں جو میرے دل کی صداؤں کو سن سکے یا سمجھ سکے ۔

خاک اس بلبلِ تنہا کی نوا سے دل ہوں .....

بار تعالیٰ ، میری زبان میں ایسی تاثیر دے کہ میرا ہر لفظ میری قوم کے دلوں کو متاثر کر سکے ۔ میری آواز میں ایسی گونج عطا فرما کہ ہر سننے والا خوابِ غفلت سے بیدار ہو جائے ۔ تاکہ میری قوم میں احساسِ زیاں پیدا ہو جائے ۔ اور پھر ایک بار تیرے پیغام توحید سے وہ اپنے دلوں کی پیاس بجھا سکیں ۔ میرا پیالہ اگرچہ عجمی ہے ۔ لیکن اس میں جو شراب ہے وہ خالص اسلامی ہے ۔ میں نے اردو میں نغمہ سرائی کی ہے لیکن اس کی لَے تو حجازی ہے ۔



جوابِ شکوہ

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے ....

دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی ہر بات پُر اثر ہوتی ہے۔ گو کہ اس کے پر نہیں ہوتے لیکن وہ طاقت پرواز سے محروم بھی نہیں ہوتی۔ چونکہ اس کی اصل پاک ہوتی ہے اس لیے وہ ساتوں آسمانوں کے سینے چیر کر عالم ملکوت تک پہنچ جاتی ہے۔ جو فرشتوں کی رہائش گاہ ہے۔ میرا عشق چونکہ سرکش و چالاک تھا اس لیے آسمانوں کو چیر کر نکل گیا۔

قدسی الاصل:۔ اپنی اصلیت کے اعتبار سے پاکیزہ رفعت: بلندی۔

پیر گردوں نے کہا سن کے، کہیں ہے کوئی .....

میرا نالہ بوڑھے آسمان نے سن کر کہا، "کہیں ہے کوئی" سیاروں نے جواب دیا، "ہاں کوئی فریادی معلوم ہوتا ہے"۔ چاند نے کہا، کوئی زمین کا باسی ہے"۔ کہکشاں نے کہا، "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہیں کوئی چھپا بیٹھا ہے" لیکن صرف جنت کا داروغہ ہی واقفِ حال نکلا اس نے کہا، "یہ اولاد آدم ہے"۔

پیر گردوں:۔ بوڑھا آسماں رضواں:۔ جنت کا داروغہ

تھی فرشتوں کو بھی حیرت کہ یہ آواز ہے کیا .....

فرشتے بھی محوِ حیرت تھے کہ یہ آواز کس کی ہے، عرش کے رہنے والے بھی اس پُر اسرار آواز کے بھید کو نہ پاسکے۔ کیا اس خاک کے پتلے کی رسائی آسمانوں تک بھی ممکن ہے۔ یہ پستی کا رہنے والا کس قدر شوخ و گستاخ ہو گیا ہے کہ اپنی سرکشی میں خدا سے بھی اپنی برہمی کا اظہار کر رہا ہے۔

تگ و تاز: دوڑ دھوپ

خاک کی چٹکی: حقیر یعنی انسان

سکانِ زمین: دنیا کے باشندے

اس قدر شوخ کہ اللہ سے بھی برہم ہے ......

اس کی شوخی اب ناراضگی میں بدل گئی ہے۔ یہ وہی آدمی ہے جو کل تک مسجودِ ملائک ہوا کرتا تھا۔ مانا کہ وہ اس دنیا کے رازوں سے واقف ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ عجز و بندگی کے آداب سے ناواقف ہے۔ اسے اپنی قوتِ گویائی پر کس قدر ناز ہے۔ حالانکہ اس کے بات کرنے کا انداز اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ اُسے بات کرنے کی بھی تمیز نہیں ہے۔

مسجودِ ملائک : آدم جسے فرشتوں نے سجدہ کیا

دانائے راز :- بھیدوں سے واقف

آئی آواز غم انگیز ہے افسانہ ترا ......

اتنے میں آسمان سے آواز آئی کہ اے انسان تیری کہانی بڑی ہی دکھ بھری ہے اور تیرا دل غموں سے چور ہے۔ تیرے نعرۂ مستانہ سے آسمان گونج اٹھا ہے۔ تیرے دیوانے دل کی صدا کتنی شوخ ہے۔ تو نے ہم سے جس حسن و خوبی کے ساتھ شکایت ہے اس نے تیری شکایت کو شکر میں بدل دیا ہے۔ اور اس طرح بندے کو خدا سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہو گیا ہے۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں ......

ہم نے اپنی بخشش و عطا کے دروازے ہمیشہ کھلے رکھے ہیں۔ لیکن کوئی سوالی ہو تو اس کی حاجت روائی کی جائے۔ ہم تو رہنمائی کے لئے بھی تیار ہیں۔ لیکن کوئی راہ گیر بھی تو ہو۔ ہم تربیت و اصلاح کے لئے ہمہ وقت تیار ہیں۔ لیکن اگر اس کا کوئی قبول کرنے والا ہی نہ ہو تو ہم کیا کریں۔

اگر کسی میں قابلیت و صلاحیت ہو تو ہم اسے شاہی بھی عطا کر سکتے ہیں

اور تلاش کرنے والوں کو نئی دنیا سے بھی روشناس کرا سکتے ہیں۔

سائل : سوالی

رگِل مٹی

ہاتھ بے زور ہیں، الحاد سے دل خوگر ہیں . . . .

تمہارے ہاتھوں میں قوت نہیں، تمہارے اقوال و اعمال میں تضاد ہے۔ تم منافق ہو گئے ہو۔

تم میں جو بت شکن تھے وہ تو رخصت ہو گئے۔ اب صرف بت پرست ہی رہ گئے ہیں۔ آذر کا بیٹا ابراہیمؑ تھا اب ابراہیم کے ہاں آزر پیدا ہو رہے ہیں۔ تم اسلامی تعلیمات سے اس قدر پھر گئے ہو کہ تم میں اپنے بزرگوں کی کوئی خو بو باقی نہیں ہے۔ تمہیں جاہ و حشمت کی چاہ نے اندھا کر دیا ہے۔

وہ دن بھی تھے کہ یہی مایۂ رعنائی تھا . . . . .

ایک زمانہ وہ بھی تھا جب ہر مسلمان اللہ کا سودائی ہوا کرتا تھا۔ جسے تم آج ہرجائی کہہ رہے ہو کل تک وہی تمہارا محبوب تھا۔ اگر

اگر میں ہرجائی ہو گیا ہوں تو جاؤ کسی یکجائی سے عہد و پیمان استوار کر لو۔ اور میرے بھیجے ہوئے رسولؐ جسے میں نے رحمت اللعالمین بنا کر بھیجا تھا اور جس کا دین ساری انسانی برادری کے لیے باعث رحمت و برکت کا تھا تم اپنی کوتاہ نظری سے مقامی بنا لو (ترک کر دو) اور کسی ایک قوم یا ایک ملک سے وابستہ کر لو۔

مایۂ رعنائی : خوبصورتی کا خزانہ

☆

کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے .....

صبح کے وقت چرند پرند محو ثنا ہوتے ہیں اس وقت تمہاری نیند کا وقت ہوتا ہے۔ اس لئے کہ تمہیں نیند ہم سے زیادہ عزیز ہے، تمہاری آزاد طبیعتوں پر رمضان کے روزے بھی بھاری ہیں۔

تمہارے نزدیک اسلامی احکامات سے روگردانی ہم سے وفاداری کے عین مطابق ہے۔

یاد رکھو قوم مذہب سے بنتی ہے۔ جب تم نے مذہب کو ترک کیا تو بحیثیت قوم تمہارا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ ایسے ہی جیسے ستاروں میں جذب باہمی (کشش) باقی نہ رہے تو ان کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔

محفل انجم: ستاروں کی انجمن۔

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن، تم ہو .....

تم ان لوگوں میں سے ہو جو دنیا کے کسی فن سے بھی واقف نہیں ہیں۔ تم اس قوم کے افراد ہو جنہیں اپنے مستقبل کی کوئی فکر نہیں۔ تم ایسے مسلمان ہو جنہیں اپنے بزرگوں کے مدفن بیچ کھانے میں بھی کوئی عار نہ ہو گا۔

تم قبروں کی تجارت کرتے کرتے ایسے بے حس ہو گئے ہو کہ اگر تمہیں پتھروں کے بت بھی مل جائیں تو کیا تم انہیں بھی نہ بیچ کھاؤ گے؟۔

اسلاف: بزرگ

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا کس نے .....

یہ سچ ہے کہ وہ تمہارے ہی آباؤ اجداد تھے جنہوں نے کفر کی تاریکی مٹائی تھی اور بنی نوعِ انسان کو غلامی کی لعنت سے نجات دلائی تھی۔ یہ وہی تھے

جنہوں نے میرے گھر کی حفاظت و پاسبانی کی، اور میرے قرآن کو سینوں سے لگائے رکھا۔ یہ بے شک تمہارے ہی باپ دادا تھے۔ لیکن تم کیا ہو؟ تم نے اسلام کی کون سی خدمت کی؟ تمہارا تو یہ حال ہے کہ تم ہاتھ پہ ہاتھ دھرے آنے والی کل کے منتظر ہو۔

صفحۂ دہر: صفحۂ ہستی

فردا : آنے والی کل

کیا کہا؟ بہرِ مسلماں ہے فقط وعدۂ حور .....

یہ تم نے کیا کہا کہ مسلمان کے لیے صرف وعدۂ حور ہے۔ بے جا شکایت کے لیے بھی عقل و شعور درکار ہے۔ روزِ ازل سے ہی خدا عدل و انصاف پہ کاربند ہے۔ کافروں پہ ابرِ کرم اس وقت برسا جب انہوں نے اسلامی اصول اختیار کیے۔

تم حور و قصور سے اس لئے محروم ہو کہ تم میں حوروں کا کوئی چاہنے والا ہی نہیں رہا۔ ہم آج بھی مائل بہ کرم ہیں۔ جلوۂ طور تو اب بھی موجود ہے۔ لیکن موسیٰ کہاں۔

قصور : قصر (محل) کی جمع

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک .....

مسلمانوں کا نفع و نقصان مشترک ہے۔ ان کا نبیؐ، دین، ایمان، کعبہ، خدا اور قرآن ایک ہے۔ کاش اسی طرح ساری دنیا کے مسلمان بھی ایک ہی ہوتے۔

اس کے برعکس تمہاری یہ حالت ہے کہ تم کہیں گروہ بندی کا شکار ہو تو

کہیں قبیلہ کی وفاداریوں پر فدا ہو رہے ہو۔ کہیں ذات پات کے اختلاف نے تمہاری وحدت کو پارہ پارہ کر رکھا ہے۔ کیا دنیا میں پنپنے اور ترقی کی یہی راہیں ہیں۔

منفعت : فائدہ

کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختار ؐ ؟ ......

وہ کون ہے جس نے شریعت محمدیؐ سے منہ موڑ لیا ہے۔ وہ کون ہے جس نے ابن الوقتی کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ وہ کون ہے جس نے غیر مسلموں کے طور طریق کو اپنا لیا ہے۔ وہ کون ہے جن کی نگاہیں اپنے بزرگوں کے کارناموں سے بیزار ہو گئی ہیں۔ تمہارے دلوں میں دین کی حرارت سرد ہو گئی ہے۔ اور تمہاری روحیں مردہ ہو چکی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ تمہارے دلوں سے اسلام کی محبت اٹھ چکی ہے اور ارشادات نبوی صلعم کا تمہیں کوئی پاس نہیں رہا۔

تارک : ترک کرنے والا

جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا تو غریب ......

مسجدوں کے نمازی، روزے کی مشقتیں برداشت کرنے والے، ہمارے نام لیوا اور تمہارے عیبوں کو ڈھانپنے والے، یہ تمام لوگ وہ ہیں جنہیں غریب کہا جاتا ہے۔ تمہارے امیر تو اپنی دولت کے نشہ میں ہمیں بھول چکے ہیں انہیں غریب مسلمانوں کے دم سے اسلام آج زندہ ہے۔

واعظِ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی ......

قوم کے واعظوں نے اپنے قول و فعل کے تضاد سے ایسی حالت پیدا کر

دی ہے کہ ان کے پند و وعظ بے اثر ہو گئے ہیں۔ اب نہ تو ان کی طبیعتوں میں بجلیوں کی چمک باقی ہے اور نہ ان کے الفاظ میں روحِ ایمانی۔ جو دلوں میں آگ بھر دیتی ہے۔

اذان کی رسم تو آج بھی چلی آرہی ہے۔ لیکن بلال حبشیؓ والا سوز و گداز کہاں ہے؟ فلسفہ اور منطق کے ماہر تو بہت سے مل جائیں گے۔ غزالی نے فلسفہ سے دین کی جو خدمت انجام دی تھی ایسے فلسفی کہاں ہیں۔

آج مسجدیں ویران ہو گئی ہیں، اور وہ نمازی جو دین کی اصل روح سے واقف تھے۔ معدوم ہو گئے ہیں۔

تلقین : نصیحت

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود ......

یہ شور مچا ہوا ہے کہ دنیا سے مسلمانوں کا وجود ختم ہو گیا ہے۔ لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ جنہیں آج تم مسلمان کہہ رہے ہو کیا واقعی وہ مسلمان ہی ہیں؟ کیونکہ ان کی وضع قطع تو عیسائیوں جیسی ہے اور تمدن کے اعتبار سے تو یہ ہندو نظر آرہے ہیں۔

یہ تو ایسے مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کر یہودی بھی شرما جائیں۔ ان میں کوئی سید ہے تو کوئی مرزا اور کوئی افغان۔

مراد یہ ہے کہ ذات پات کی تقسیم نے ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور ان میں ایک بھی سچا مسلمان نہیں۔

دم تقریر تھی مسلم کی صداقت بیباک ......

قرونِ وسطیٰ کا مسلمان اپنی حق گوئی کے لئے مشہور تھا، کسی قسم کا خوف د

مصلحت انہیں حق گوئی سے روک نہ سکتا تھا۔ ان کے عدل و انصاف کا یہ عالم تھا کہ کبھی ان پر جانبداری کا الزام نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ مسلمان کی فطرت میں حیا کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور وہ شجاعت، بہادری اور جواں مردی کا جیتا جاگتا نمونہ تھا۔ مصیبت زدہ اور پریشان حالوں کا غم اپنانا ہی اس کا شیوہ تھا۔ اس کی زندگی دوسروں کو راحت اور مسرت پہنچانے کے لئے وقف تھی۔

فوق الادراک:- سمجھ بوجھ سے بالا

ہر مسلمان رگِ باطل کے لئے نشتر تھا ......

ہر مسلمان کفر کو مٹانے کے لئے ہمیشہ سر سے کفن باندھے رہا کرتا تھا۔ عملِ پیہم ہی اس کی زندگی کا نصب العین تھا۔ اسے اپنی قوتِ بازو کے ساتھ ساتھ اپنے پیدا کرنے والے پر بھی پورا پورا بھروسہ تھا۔ اور تمہیں ہر گھڑی موت کا ڈھرکا لگا رہتا ہے۔

اگر تم اپنے بزرگوں کے صفات و کمالات سے عاری ہو تو خدا را بتاؤ تم ان کے ورثے کے کیسے مستحق ہو سکتے ہیں۔

ہر کوئی مستِ مئے ذوقِ تن آسانی ہے ......

تم میں ہر شخص عیش و عشرت میں مبتلا ہے اور آرام کا طلب گار ہے۔ کیا مسلمان ہونے کی یہی نشانی ہے۔؟

تم میں حضرت علیؓ کی شانِ فقر ہے اور نہ حضرت عثمانؓ جیسا غنی اور سخی تمہیں اپنے بزرگوں سے کوئی روحانی نسبت نہیں ہے۔ ان کا مسلمان ہونا ہی ان کے لئے باعث عزت تھا۔ اس کے برعکس تم آج ذلیل و خوار اس لئے ہو کیونکہ تم نے قرآنی تعلیمات کو بھلا رکھا ہے۔

تن آسانی:۔ سہل پسندی

تم ہو آپس میں غضب ناک، وہ آپس میں رحیم .....

تمہارا یہ حال ہے کہ "ایک کو ایک کھائے جاتا ہے" تم نے نفاق و پھوٹ کو اپنا لیا ہے اس کے برعکس تمہارے آباؤاجداد اتفاق و اخوت کے علم بردار تھے۔ تم خود عیبوں سے بھرے ہوئے ہو اس کے باوجود دوسروں کی عیب جوئی اور غیبت میں مبتلا رہتے ہو۔

تمہارے اسلاف ایسے نیک دل تھے کہ نہ صرف انہوں نے عیب جوئی نہیں کی بلکہ وہ عیبوں کے پردہ پوش بھی تھے۔ تم اس کے تو خواہش مند ہو کہ تمہیں بھی ویسی ہی عظمت و بلندی نصیب ہو جو انہیں حاصل تھی۔ لیکن یہ بھول گئے۔ کہ تم نورِ ایمانی سے محروم ہو۔ تم گفتار کے غازی ہو وہ کردار کے غازی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں چین و ایران کی شہنشاہیت عطا کی گئی۔

فغفور:۔ قدیم چینی بادشاہوں کا لقب

خودکشی شیوہ تمہارا، وہ غیور و خوددار .....

تم اپنے ہی ہاتھوں اپنی تباہی کا سامان پیدا کر رہے ہو، تم نے اخوت کے پرچم کو سرنگوں کر دیا ہے، جبکہ تمہارے بزرگ اس کے علم بردار تھے۔ تمہیں باتوں سے فرصت نہیں جبکہ ان کی زندگی کردار و عمل سے مزین تھی۔

تم آج ایک ایک کلی کو ترستے ہو وہ گلزاروں کے مکین تھے۔ آج بھی دنیا ان کے شاندار کارناموں پہ فخر کر رہی ہے۔ اور تاریخ کا ہر صفحہ ان کی شاندار خدمات کے تذکرے سے پر ہے۔

شیوہ: طریقہ

قیس زحمتِ کشِ تنہائیٔ صحرا نہ رہے ......

قیس اب بھی ہے۔ لیکن بیابانوں کی سختیاں برداشت کرنا نہیں چاہتا۔ اُسے تو شہر کی ہوا راس آگئی ہے۔ اب اسے صحرانوردی سے کیا واسطہ؟ مجنوں تو خیر دیوانہ ہے وہ بستی میں رہے۔ یا آبادی میں، لیکن وہ اس کا ضرور خواہاں ہے۔ کہ لیلیٰ بے نقاب ہو جائے اور وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ محبوب ظلم سے بھی ہاتھ اٹھائے اور بیداد کی بھی شکایت نہ کرے۔

جب قیس آدابِ عشق سے آزاد ہو چکا ہے تو حسن بھی کیوں بے نقاب نہ ہو جائے۔ مراد یہ ہے کہ مسلمان اتنا سہل پسند اور بے عمل ہو گیا ہے کہ وہ خوشی شادمانی اور کامیابی کا تو خواہاں ہے۔ لیکن اس کے لئے جدوجہد اور عمل پیہم سے گریز کر رہا ہے۔

مثلِ انجم افقِ قوم پہ روشن بھی ہوئے ......

تمہارے ہی وہ اسلاف تھے جو ستاروں پہ کمندیں ڈالا کرتے تھے۔ آج تمہاری قوم کے نوجوانوں کی حالت یہ ہے کہ دینِ محمدی کو ترک کر کے ہندی بتوں کی محبت میں برہمن بنتے جا رہے ہو۔

پہلے انہوں نے دنیاوی جاہ وحشم کو اپنایا اور پھر بے عملی نے دینی و ملی روایات سے بیگانہ کر دیا۔ نئی تہذیب نے پہلے تو انہیں ہر پابندی اور ذمے داری سے نجات دلا دی اور پھر کعبہ سے اٹھا کر بت خانہ میں لا بٹھایا۔

مہجور: جدا۔ فرق زدہ

عہدِ نو برق ہے آتش زنِ ہر خرم ہے ......

دورِ حاضر مادیت کے عروج کا زمانہ ہے۔ یہ مادیت ایسی بجلی ہے جو

تمام قوموں کو جلا کر راکھ کا ڈھیر کر دے گی ۔ اور اس آگ میں تمام اقوام اور تہذیبیں جل کر بھسم ہو جائیں گی ۔

اسی آگ کے شعلے مسلمانوں کی جانب لپک رہے ہیں ۔ یہی لوگ اگر ابراہیمؑ کا سا ایمان اپنے اندر پیدا کر لیں تو یہ آگ گلزارِ خلیلؑ میں تبدیل ہو سکتی ہے ۔

امین : زیادہ ، بے خوف

دیکھ کر رنگِ چمن ہو نہ پریشاں مالی . . . . .

اس بند میں علامہ اقبال قوم کو یہ مژدہ سناتے ہیں کہ وہ اپنی زبوں حالی سے پریشاں نہ ہوں ۔ کیونکہ دنیا کو اسلام کے ابدی پیغام کی آج بھی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کل تھی ۔ اس لئے انہیں ہمت نہیں ہارنی چاہیئے ۔

مسلمان شہداء کے خون کی سرخی ہر سو اپنا رنگ بکھیر رہی ہے ۔ ذرا آسمان کی جانب نظریں اٹھا کر دیکھو کہ ہر طرف عنابی رنگ پھیلتا جا رہا ہے ۔ اور افق پہ جو روشنی کی کرن نمودار ہو رہی ہے وہ طلوع ہونے والے آفتاب کی نشاندہی کر رہی ہے ۔

مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کو پھر ایک بار عروج و بلندی عطا ہوگی ۔

گل بر انداز : پھول برسانا ۔

گردوں : آسماں ۔

امتیں گلشنِ ہستی میں ثمر چیدہ بھی ہیں . . . .

اس کرۂ زمین پہ ایسی قومیں بھی آباد ہیں ۔ جنہیں اپنی محنت کا صلہ مل چکا ہے ۔ ایسی بھی ہیں جو اس پھل سے محروم ہیں اور ان پہ مردنی چھائی ہوئی ہے ۔ سیکڑوں ایسے پودے بھی ہیں جو پھل پھول نہ سکے ۔ اس کے برعکس کچھ ایسے بھی ہیں ۔

جنہوں نے نشو و نما پا کر اپنا مقام حاصل کر لیا ہے لیکن سیکڑوں ایسے بھی ہیں۔ جو چمن کی مٹی سے باہر نکلنے کے لئے بے تاب ہیں۔

اسلام کا پودا وہ ہے جس کی آبیاری سیکڑوں صدیوں میں ہوئی ہے۔ یہ کیسے مرجھا سکتا ہے۔

ثمر چیدہ : پھل منتخب کرنے والا۔

کاہیدہ : کمزور، مرجھایا ہوا۔

بالیدہ : پختہ

پاک ہے گرد وطن سے سر داماں تیرا .....

اے مسلمانو! یاد رکھو کہ تمہارا وجود کسی زمین سے وابستہ نہیں ہے۔ اس کا چپّہ چپّہ مسلمانوں کا وطن ہے۔ اسلام کا تعلق وطنیت اور قومیت کے تصور سے بلند و بالا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمہارا قافلہ کبھی بھٹک نہیں سکتا۔ اس قافلہ کا زادِ راہ بانگ درا کے سوا کچھ بھی نہیں۔

مراد یہ ہے کہ اسلامی قافلہ احکام خداوندی اور اس کے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں ہمیشہ آگے ہی بڑھتا جائے گا اس لئے اسلام یا ان کے نام لیواؤں سے یہ زمین کبھی بھی خالی نہ ہوگی۔

تو نہ مٹ جائے گا ایران کے مٹ جانے سے .....

ایران کے مٹ جانے سے (مراد یہ ہے کہ کسی ایک قوم کے مٹ جانے سے) اسلام تو نہیں مٹ سکتا۔ بالکل اسی طرح جس طرح نشہ کا تعلق شراب سے ہے نہ کہ پیمانے سے۔ پیالہ ٹوٹنے سے شراب کی کیفیت تو بدل نہیں سکتی۔

تجھے یاد ہے کہ تاتاریوں نے پہلے تو بغداد کو تباہ و برباد کر دیا اور اس کے بعد

وہ زمانہ بھی آیا کہ انہی تاتاریوں کی اولاد نے بت پرستی ترک کر کے کعبہ کی نگہبانی کے فرائض سنبھال لیئے۔ تو ہی اسلام کی کشتی کا کھیون ہار ہے۔ اس اندھیری رات میں تیرا وجود ایک دھندلے ستارے کی مانند ہے۔

ہے جو ہنگامہ بپا یورش بلغاری کا.....

آج (۱۳-۱۹۱۲ء) بلغاریہ نے ترکی پر چار دن طرف سے ہلّہ بول دیا ہے تو اس سے پریشان نہ ہو۔ یہ حملہ تو غافلوں کو نیند سے بیدار کرنے کے لیئے صور ثابت ہوگا تاکہ وہ خواب غفلت سے جاگ کر اپنے بچاؤ کی تدبیر کریں۔ تو اس حملہ کو دل آزاری مت سمجھ۔ یہ تیرے ایثار و خودداری کا امتحان ہے۔ تو دشمنوں کی تعداد سے کیوں خوف زدہ ہے۔ جبکہ تیرے دل میں ایمان کی شمع فروزاں ہے۔ جسے دنیا کی کوئی طاقت بجھا نہیں سکتی۔

صہیل :۔ گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز

فرس :۔ گھوڑا

چشم اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری.....

اے مسلمان تیری حقیقت ابھی دنیا پر آشکار نہیں ہوئی ہے، ورنہ وہ تجھے مٹانے کے درپے نہ ہوتی۔ اب بھی اس دنیا کو تیرے وجود کی ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ دنیا تیرے ہی دم سے قائم ہے۔

دنیا پر اسلام کی حکمرانی تو مقدر بن چکی ہے۔ جسے کوئی بدل نہیں سکتا۔ ابھی تیرے لیئے فراغت و آسائش کا دور نہیں آیا ہے۔ ابھی تجھے بہت سے کام کرنے ہیں۔ ان میں سب سے اہم کام یہ ہے کہ شمع توحید کی روشنی سے ساری دنیا سے تاریکی دور کر دے۔

کوکب قسمت انسان : دنیا کی تقدیر کا ستارہ

اہتمام : انجام

مثلِ بو قید ہے غنچے میں ، پریشاں ہو جا . . . . .

تو خوشبو کی طرح پھول میں پوشیدہ کیوں ہے . باہر نکل اور ہوا کے کاندھوں پر سوار ہو کر سارے گلستان کو معطر کر دے ۔

(مراد یہ ہے کہ مسلمان توحید کا پیغام لے کر ساری دنیا میں پھیل جائیں) ۔ اگر تیرا سرمایہ حقیر ہے تو اس سے ہراساں نہ ہو ، تیری کمزوری طاقت میں اور قلت کثرت میں تبدیل ہو سکتی ہے بشرطیکہ تو میدانِ عمل میں کود پڑے ۔ عشقِ الٰہی کی قوت سے ہر پستی بلندی میں بدل جائے گی اور اس طرح دنیا میں نامِ محمدی کی شمع روشن کر ۔

تنک مایہ : حقیر

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو . . . . .

اسی پھول (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے صدقے میں گلستانِ دہر میں بلبل نغمہ سرا ہے اور اسی کی بدولت کلیوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی ہے ۔

اگر حضور سرِ نور ؐ کی ذات اقدس ؐ نہ ہوتی تو اس دنیا میں چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی کا دور دورہ ہوتا ۔ یہ دنیا آپ ؐ کے دم سے قائم ہے ، آپ ؐ اگر نہ ہوتے تو توحید کا پیغام عام نہ ہوتا اور اگر توحید نہ ہوتی تو تم بھی نہ ہوتے ۔

دشت میں ، دامنِ کہسار میں ، میدان میں ہے . . . . .

پیغمبرِ اسلام ؐ کے مقدس نور کی برکت نے پہاڑوں ، بیابانوں ، سمندروں اور ان کے طوفانوں غرض کہ ہر جاندار و بے جان شئے کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے مراد یہ ہے کہ ہر جگہ اسلام کے نام لیوا موجود ہیں ، چین سے مراقش تک

شریعت محمدیؐ کے پاسباں پائے جاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہر مسلمان کا دل شمع احمدیؐ سے منور رہے۔ یہاں تک کہ قیامت تک یہ مقدس نامؐ ہمیشہ سرفراز و سربلند رہے گا۔ کیونکہ خدا نے خود یہ وعدہ کیا ہے:

"رسول برحقؐ ہم نے آپ کا اسم مبارکؐ ساری دنیا میں بلند کر دیا ہے۔

مردم چشم زمین، یعنی وہ کالی دنیا ......

افریقہ جہاں سیاہ فام لوگ آباد ہیں۔ اسی سرزمین کے ایک حکمراں (نجاشی) نے عہد نبویؐ کے مسلمانوں کو اپنے ہاں پناہ دی تھی۔ یہ وہی سرزمین ہے جسے سورج کی شدید تپش نے پالا ہے، جس پہ ہلالی پرچم لہرا رہا ہے۔

(مراد ہے مصر سے مراکش تک مسلمانوں کی آبادی پھیلی ہوئی ہے)

اسی سرزمین میں حضرت بلال حبشیؓ جیسی عظیم المرتبت شخصیت نے جنم لیا تھا۔ اس سیاہ علاقے کو دیکھ کر کچھ لوگ ہلالی اور کچھ عشاق بلالیؓ دنیا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

اس براعظم میں نور اسلام کی روشنی تیزی سے پھیل جانے کی وجہ سے اس کے چپّہ چپّہ سے نغمۂ توحید سنائی دے رہا ہے۔

پروردہ : پالی ہوئی

عقل ہے تیری سپر، عشق ہے شمشیر تری ......

اے مسلمان عقل تیری ڈھال ہے اور عشق تیری تلوار ہے۔ تو اللہ کا درویش ہے۔ اور ساری دنیا پہ حکمرانی کر سکتا ہے بشرطیکہ تو سچا مسلمان ہو جائے۔ اور مرضیٔ مولا کو اپنا شعار بنالے۔ پھر تیری ہر تدبیر ہی منشائے خداوندی کا درجہ حاصل کرے گی۔

(مراد یہ ہے کہ تو جو چاہے گا وہی ہوگا) اگر تو نے ہمارے محبوب نبیؐ کی اطاعت کو اپنی فطرت بنا لیا تو یہ حقیر سی دنیا کیا شے ہے ہم تجھے ساری کائنات کا والی وارث بنا سکتے ہیں۔

ماسوا اللہ : خدا کے علاوہ

٭٭٭



اقبالؔ بڑا اُپدیشک ہے مَن باتوں میں موہ لیتا ہے

گُفتار کا یہ غازی تو بنا کردار کا غازی بن نہ سکا